۲ پوس کی رات

منشی پریم چند

پہلی بات :

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کا ایک مشہور شعر ہے ؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی　　اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

ہمارے ملک میں تقریباً سات لاکھ دیہات ہیں۔ ان دیہاتوں میں زیادہ تر کسان رہتے ہیں مگر یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ سب کے لیے اناج اُگانے والا کسان اکثر خود مفلسی اور کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؔ اپنے اس شعر میں کہتے ہیں کہ جس کھیت سے کسان کو روزی نہ ملے، اُس کھیت کو آگ لگا دینا چاہیے۔ کہانی 'پوس کی رات' بھی ایک کسان کی مفلسی اور مجبوری کی عبرت ناک تصویر پیش کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس کہانی میں پسماندہ طبقے کی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کہانی آزادی سے پہلے لکھی گئی تھی مگر آزادی کی سات دہائیوں کے بعد آج بھی کسانوں کی حالتِ زار میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اُس زمانے میں وہ مہاجنوں سے قرض لیتے تھے اور اُن کی ساری عمر قرض چکانے میں گزر جاتی تھی آج وہ بینکوں سے قرض لیتے ہیں اور اُس قرض کو ادا کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ بعض اوقات وہ قرض ادا نہ کر پانے کے خوف سے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔

جان پہچان :

پریم چند کو متفقہ طور پر اُردو اور ہندی کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ بنارس کے قریب ایک گاؤں لمہی (پانڈے پور) میں ۳۱؍جولائی ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز انھوں نے نواب رائے کے نام سے کیا۔ پھر وہ پریم چند کے قلمی نام سے لکھنے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے لال پور گاؤں میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ سرکاری ملازم ہوگئے۔ شروع میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اُنھیں بچپن ہی سے لکھنے کا شوق تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اُن کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ 'سوزِ وطن' کے نام سے شائع ہوا جس پر انگریزی حکومت نے پابندی عائد کردی۔ پریم چند نے تین سو سے زیادہ افسانے اور بارہ ناول لکھے ہیں جن میں 'گئودان، غبن، میدانِ عمل، بازارِ حسن' اہم ہیں۔ اُن کے افسانوں کا ایک ایک لفظ انسانی دردمندی کے جذبے سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ ۸؍اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بنارس میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

افسانہ :

اُردو کی بیانیہ اصناف میں سب سے زیادہ مقبولیت افسانے کو ملی۔ افسانے کے ذریعے فرد کی زندگی کے کسی ایک پہلو، کسی ایک نفسیاتی یا جذباتی کیفیت یا کسی ایک تجربے کو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے کی کوئی قطعی تعریف ممکن نہیں ہے۔ اس کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں مثلاً افسانہ کسی ایک واقعے کا بیان ہوتا ہے جس میں ابتدا، وسط اور انجام ہو۔ افسانے میں واقعات کا بیان، کرداروں کی گفتگو اور منظر و ماحول کی پیش کش بہت نپی تلی اور تاثر سے بھرپور ہونی چاہیے۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، زمان و مکان، مرکزی خیال اور اسلوب کی خاص اہمیت ہے۔

ہلکو نے آکر اپنی بیوی سے کہا، "شہنا آیا ہے۔ لاؤ جو روپے رکھے ہیں، اسے دے دوں۔ کسی طرح گردن تو چھوٹے۔"

مُنّی بہو جھاڑو لگا رہی تھی، پیچھے پھر کر بولی، "تین ہی تو روپے ہیں، اسے دے دو گے تو کمبل کہاں سے آئے گا؟ ماگھ پوس کی رات کھیت میں کیسے کٹے گی؟ اس سے کہہ دو کہ فصل پر روپے دے دیں گے۔ ابھی نہیں ہیں۔"

ہلکو تھوڑی دیر تک چپ کھڑا رہا اور اپنے دل میں سوچتا رہا، پوس سر پر آ گیا ہے۔ بغیر کمبل کے رات کو وہ کسی طرح کھیت میں نہیں سو سکتا مگر شہنا مانے گا نہیں۔ وہ گھڑکیاں دے گا، گالیاں بکے گا۔ بلا سے جاڑے میں مریں گے، یہ بلا تو سر سے ٹل جائے گی۔..... یہ سوچتا ہوا وہ بیوی کے پاس گیا اور خوشامدانہ لہجے میں بولا، "لا دے دے، گردن تو کسی طرح سے بچے... کمبل کے لیے کوئی تدبیر سوچوں گا۔"

مُنّی آنکھیں ٹیڑھی کرکے بولی،" کرچکے دوسری تدبیر، ذرا سنوں تو کون سی تدبیر کرو گے۔کون کمبل خیرات میں دے دے گا؟ نہ جانے کتنا روپیہ باقی ہے جو کسی طرح ادا ہی نہیں ہوتا۔ میں کہتی ہوں، تم کھیتی کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ مرمر کر کام کرو، پیداوار ہو تو اس سے باقی ادا کرو، چلو چھٹی ہوئی۔ باقی چکانے کے لیے ہی تو ہمارا جنم ہوا ہے...ایسی کھیتی سے باز آئے۔ میں روپے نہ دوں گی، نہ دوں گی۔"

ہلکو رنجیدہ ہوکر بولا،" تو کیا گالیاں کھاؤں؟"

منی نے کہا،" گالی کیوں دے گا؟ کیا اس کا راج ہے؟" مگر یہ کہنے کے ساتھ ہی اس کی تنی ہوئی بھنویں ڈھیلی پڑ گئیں۔اس نے طاق پر سے پیسے اُٹھائے اور لاکر ہلکو کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ پھر بولی،" تم اب کھیتی چھوڑ دو، مزدوری میں سکھ سے ایک روٹی تو چین سے کھانے کو ملے گی۔ کسی کی دھونس تو نہ رہے گی۔"

ہلکو نے روپے لیے اور اس طرح باہر چلا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا کلیجا نکال کر دینے جارہا ہے۔اس نے ایک ایک پیسا کاٹ کر تین روپے کمبل کے لیے جمع کیے تھے۔ وہ آج نکلے جارہے ہیں۔

پوس کی اندھیری رات، آسمان پر تارے بھی ٹھٹھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ہلکو اپنے کھیت کے کنارے اوکھ کی پتیوں کی ایک چھتری کے نیچے بانس کے کھٹولے پر پرانی گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے کانپ رہا تھا۔کھٹولے کے نیچے اس کا ساتھی کتا 'جبرا' پیٹ میں منہ ڈالے سردی سے کوں کوں کررہا تھا...دونوں میں سے ایک کو بھی نیند نہ آتی تھی۔

ہلکو نے گھٹنوں کو گردن میں چمٹاتے ہوئے کہا،" کیوں جبرا! جاڑا لگتا ہے...کہا تو تھا کہ گھر میں پیال پر لیٹ رہ۔تو یہاں کیا لینے آیا تھا۔ اب کھا سردی۔ میں کیا کروں۔ جانتے تھے کہ میں حلوہ پوری کھانے جارہا ہوں۔ دوڑتے ہوئے آگے آگے چلے آئے۔ اب روؤ اپنی نانی کے نام کو..."

جبرا نے پڑے پڑے دُم ہلائی اور ایک انگڑائی لے کر چپ ہوگیا۔شاید وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی کوں کوں کی آواز سے اس کے مالک کو نیند نہیں آرہی ہے۔ ہلکو نے ہاتھ نکال کر جبرا کی ٹھنڈی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا،" کل سے میرے ساتھ نہ آنا،نہیں تو ٹھنڈے ہوجاؤ گے۔ یہ پچھوا ہوا نہ جانے کہاں سے برف لیے آرہی ہے۔ اُٹھوں پھر ایک چلم بھروں۔ کسی طرح رات تو کٹے۔"

ہلکو اُٹھا اور گڑھے میں سے ذرا سی آگ نکال کر چلم بھری۔ جبرا بھی اُٹھ بیٹھا۔ ہلکو نے چلم پیتے ہوئے کہا،" پیے گا چلم؟ جاڑا تو کیا جاتا ہے، ہاں ذرا من بہل جاتا ہے۔"

جبرا نے اگلے پنجے اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے اور اس کے منہ کے پاس اپنا منہ لے گیا۔ ہلکو کو اس کی سانس گرم لگی۔ چلم پی کر ہلکو پھر لیٹا اور یہ طے کرلیا کہ چاہے کچھ بھی ہو، اب کی سو جاؤں گا۔لیکن ایک لمحے میں اس کا کلیجا کانپنے لگا۔کبھی اس کروٹ لیٹتا،کبھی اس کروٹ۔ جاڑا کسی بھوت کی مانند اس کی چھاتی کو دبائے ہوئے تھا۔

جب کسی طرح رہا نہ گیا تو اس نے جبرا کو دھیرے سے اُٹھایا اور اس کے سر کو تھپتھپا کر اسے اپنی گود میں سلا لیا۔اس کو کتے سے بالکل نفرت نہ تھی۔ ایسی انوکھی دوستی نے اس کی روح کے سب دروازے کھول دیے تھے اور اس کا ایک ایک ذرّہ حقیقی روشنی سے منوّر ہوگیا تھا۔اسی اثنا میں جبرا نے کسی جانور کی آہٹ سنی۔اس کے مالک کی اس خالص روحانیت نے اس کے دل میں ایک نئی طاقت پیدا کردی تھی جو ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں کو بھی ناچیز سمجھ رہی تھی۔ وہ جھپٹ کر اُٹھا اور چھپّر سے باہر آکر بھونکنے لگا۔

ہلکو نے اسے کئی بار پچکار کر بلایا پر وہ اس کے پاس نہ آیا۔کھیت میں چاروں طرف دوڑ دوڑ کر بھونکتا رہا۔ایک لمحے کے لیے آ بھی جاتا تو فوراً ہی پھر دوڑتا۔فرض کی ادائیگی نے اسے بے چین کررکھا تھا۔

ایک گھنٹا گزر گیا۔ سردی بڑھنے لگی۔ ہلکو اُٹھ بیٹھا اور دونوں گھٹنوں کو چھاتی سے ملا کر سر کو چھپا لیا۔ پھر بھی سردی کم نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا خون منجمد ہو گیا ہے۔ اس نے اُٹھ کر آسمان کی جانب دیکھا۔ ابھی کتنی رات باقی ہے؟ ستارے ابھی اپنا نصف دورہ بھی ختم نہیں کر پائے تھے، جب وہ اوپر آ جائیں گے تو کہیں سویرا ہوگا۔

ہلکو کے کھیت سے تھوڑی دور کے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ پت جھڑ شروع ہو گیا تھا۔ باغ میں پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہلکو نے سوچا، چل کر پتیاں بٹوروں اور ان کو جلا کر خوب تاپوں۔ رات کو کوئی پتیاں بٹورتے دیکھے تو سمجھے گا کہ کوئی بھوت ہے۔ کون جانے کوئی جانور ہی چھپا بیٹھا ہو مگر اب تو بیٹھے نہیں رہا جاتا۔

اس نے پاس کے ارہر کے کھیت میں جا کر پودے اُکھاڑے اور اس کا ایک جھاڑو بنا کر ہاتھ میں سلگتا ہوا اُپلا لیے باغ کی طرف چلا۔ جبرا نے اسے جاتے دیکھا تو پاس آیا اور دُم ہلانے لگا۔ ہلکو نے کہا، ”اب تو نہیں رہا جاتا۔ جبرا، چلو باغ میں پتیاں بٹور کر تاپیں۔ ٹانٹے ہو جائیں گے تو پھر آ کر سوئیں گے، ابھی تو رات بہت ہے۔“

جبرا نے کوں کوں کرتے ہوئے اپنے مالک کی رائے سے اتفاق کیا اور آگے آگے باغ کی جانب چلا۔ باغ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ درختوں سے شبنم کی بوندیں ٹپ ٹپ ٹپک رہی تھیں۔ یکایک ایک جھونکا مہندی کے پھولوں کی خوشبو لیے ہوئے آیا۔ ہلکو نے کہا، ”کیسی اچھی مہک آئی جبرا... تمھاری ناک میں بھی کچھ خوشبو آ رہی ہے؟“

جبرا کو کہیں زمین پر ایک ہڈی پڑی مل گئی تھی، وہ اسے چچوڑ رہا تھا۔

ہلکو نے آگ زمین پر رکھ دی اور پتّیاں بٹورنے لگا۔ تھوڑی دیر میں پتیوں کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ ہاتھ ٹھٹھرے جاتے تھے، ننگے پاؤں گلے جاتے تھے اور وہ پتیوں کا پہاڑ کھڑا کر رہا تھا۔ اسی الاؤ میں وہ سردی کو جلا کر خاک کر دے گا۔

تھوڑی دیر میں الاؤ جل اُٹھا۔ اس کی لَو اوپر والے درخت کی پتیوں کو چھو چھو کر بھاگنے لگی۔ اس ہلتی ہوئی روشنی میں باغ کے عالیشان درخت ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے وہ اس لا انتہا اندھیرے کو اپنی گردن پر سنبھالے ہوں۔ تاریکی کے اس اتھاہ سمندر میں روشنی ایک ناؤ کی مانند ہوتی تھی۔

ہلکو آگ کے سامنے بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ ایک منٹ میں اس نے اپنی چادر بغل میں دبائی اور دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ گویا وہ سردی کو للکار کر کہہ رہا تھا... ”تیرے جی میں جو آئے کر...“ سردی کی اس بے پایاں طاقت پر فتح پا کر وہ خوشی کو چھپا نہ سکتا تھا۔

اس نے جبرا سے کہا، ”کیوں جبرے، اب تو ٹھنڈ نہیں لگ رہی؟“

جبرا نے کوں کوں کر کے گویا کہا، ”اب کیا ٹھنڈ لگتی ہی رہے گی؟“

”پہلے یہ تدبیر نہیں سوجھی تو اتنی ٹھنڈ کیوں کھاتے؟“

جبرا نے دُم ہلائی۔

”اچھا آؤ۔ اس الاؤ کو کود کر پار کریں۔ دیکھیں کون نکل جاتا ہے۔ اگر جل گئے بچہ تو میں دوا نہ کروں گا۔“

جبرا نے خوف زدہ نگاہوں سے الاؤ کی طرف دیکھا۔

”منی سے کل نہ کہہ دینا ورنہ لڑائی کرے گی۔“

> پریم چند نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں کسانوں کی مفلسی پر بہت لکھا ہے۔ ’پوس کی رات‘ میں بھی ہلکو مہاجن کے قرض سے پریشان ہے مگر ہزار پریشانیوں کے باوجود پریم چند کے زمانے میں کسی کسان نے کبھی خودکشی نہیں کی مگر آج کل ہم آئے دن سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے کسان بینک کے قرض سے تنگ آ کر خودکشی کر رہے ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ کیا ہماری بینکوں کا نظام مہاجنی سود کے نظام سے زیادہ سفّاک ہے؟

یہ کہتا ہوا وہ اُچھلا اور اس الاؤ کے اوپر سے صاف نکل گیا۔ پیروں میں ذرا سی لپٹ لگ گئی پر وہ کوئی بات نہ تھی۔ جبرا الاؤ کے گرد

گھوم کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ہلکو نے کہا، "چلو چلو، اس کی نہیں، اوپر سے کوٗد کر آ ؤ۔" وہ پھر کوٗدا اور الاؤ کے اس پار آ گیا۔

پتیاں جل چکی تھیں۔ باغیچے میں پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔ راکھ کے نیچے ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی جو ہوا کا جھونکا آنے پر ذرا جاگ اُٹھتی تھی پر ایک لمحے میں پھر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔

ہلکو نے پھر چادر اوڑھ لی اور گرم راکھ کے پاس بیٹھا ہوا ایک گیت گنگنانے لگا۔ اس کے جسم میں گرمی آ گئی تھی۔ پر جوں جوں سردی بڑھتی جاتی تھی، اسے سستی دبائے لیتی تھی۔

دفعتہً جبرا زور سے بھونک کر کھیت کی طرف بھاگا۔ ہلکو کو ایسا معلوم ہوا کہ جانوروں کا ایک غول اس کے کھیت میں آ گیا ہے۔ شاید نیل گایوں کا تھا۔ ان کے کوٗدنے اور دوڑنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں ... پھر ایسا معلوم ہوا کہ کھیت میں چر رہی ہیں۔

اس نے دل میں کہا، "نہیں، جبرا کے ہوتے ہوئے کوئی جانور کھیت میں نہیں آ سکتا۔ نوچ ہی ڈالے گا ... مجھے وہم ہو رہا ہے۔ اب تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ مجھے بھی کیسا دھوکا ہوا ...!"

اس نے زور سے آواز لگائی، "جبرا ... جبرا ...!"

جبرا بھونکتا رہا۔ اس کے پاس نہ آیا۔

جانوروں کے چرنے کی آواز چر چر سنائی دینے لگی۔ ہلکو اب اپنے کو فریب نہ دے سکا مگر اسے اس وقت اپنی جگہ سے ہلنا زہر معلوم ہوتا تھا۔ کیسا گرمایا ہوا مزے سے بیٹھا تھا ... اس جاڑے پالے میں کھیت میں جانا، جانوروں کو بھگانا ... ان کا پیچھا کرنا، اسے پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ بیٹھے بیٹھے جانوروں کو بھگانے کے لیے چلّانے لگا، "ہلو، ہلو ہو، ہو ہا ہا!"

مگر جبرا پھر بھونک اُٹھا۔ جانور کھیت چر رہے تھے۔ فصل تیار ہے مگر یہ ظالم جانور اس کا ستیاناس کیے ڈالتے ہیں۔ ہلکو پکا ارادہ کر کے اُٹھا اور دو تین قدم چلا۔ پھر یکایک ہوا کا ایک ایسا ٹھنڈا چبھنے والا بچھو کے ڈنک کا سا جھونکا لگا کہ وہ پھر بجھتے ہوئے الاؤ کے پاس آ بیٹھا اور راکھ کو کرید کرید کر اپنے ٹھنڈے جسم کو گرمانے لگا۔

جبرا اپنا گلا پھاڑے ڈالتا تھا۔ نیل گائیں کھیت کا صفایا کیے ڈالتی تھیں اور ہلکو گرم راکھ کے پاس خاموش بیٹھا تھا۔ افسردگی نے اسے چاروں طرف سے رسّی کی طرح جکڑ رکھا تھا۔

اسی راکھ کے پاس زمین پر وہ چادر اوڑھ کر سو گیا۔

سویرے جب اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا چاروں طرف دھوپ پھیل گئی تھی اور منی کھڑی کہہ رہی تھی، "تم کہاں آ کر مر گئے، ادھر سارا کھیت چوپٹ ہو گیا۔"

ہلکو نے اُٹھ کر کہا، "کیا! تو کھیت سے ہو کر آ رہی ہے؟"

منی بولی، "ہاں! سارے کھیت کا ستیاناس ہو گیا۔ بھلا ایسا بھی کوئی سوتا ہے۔ تمھارے یہاں منڈیا ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

ہلکو نے بہانہ کیا، "میں مرتے مرتے بچا، تجھے اپنے کھیت کی پڑی ہے۔ پیٹ میں ایسا درد اُٹھا تھا کہ میں ہی جانتا ہوں۔"

دونوں پھر کھیت کے ڈانڈے پر آئے۔ دیکھا کھیت میں ایک پودے کا نام نہیں اور جبرا منڈیا کے نیچے چت پڑا ہے ... گویا بدن میں جان ہی نہیں ہے ... دونوں کھیت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ منی کے چہرے پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے فکرمند ہو کر کہا، "اب مجوری کر کے مال گجاری دینی پڑے گی۔ میں اس کھیت کا لگان نہ دوں گی۔ کہے دیتی ہوں کہ جینے کے لیے کھیتی کرتے ہیں، مرنے کے لیے نہیں۔"

"جبرا ابھی تک سویا ہوا ہے۔ اتنا تو کبھی نہ سوتا تھا۔"
"آج جا کر شہنا سے کہہ دو، کھیت جانور چر گئے۔ ہم ایک پیسا نہ دیں گے۔"
"رات بڑی غضب کی سردی تھی۔"
"میں کیا کہتی ہوں، تم کیا سنتے ہو۔"
"تو گالی کھانے کی بات کہہ رہی ہے۔ شہنا کو ان باتوں سے کیا مطلب۔ تمھارا کھیت چاہے جانوروں نے کھایا ہو، چاہے آگ لگ جائے، چاہے اولے پڑ جائیں، اسے تو اپنی مال گجاری چاہیے۔"
"تو چھوڑ دو کھیتی، میں ایسی کھیتی سے باز آئی۔"

ہلکو نے مایوسانہ انداز سے کہا..."جی میں تو میرے بھی یہی آتا ہے کہ کھیتی باڑی چھوڑ دوں۔ منی! تجھ سے سچ کہتا ہوں مگر مجوری کا خیال کرتا ہوں تو جی گھبرا اُٹھتا ہے۔ کسان کا بیٹا ہو کر اب مجوری نہ کروں گا۔ چاہے کتنی ہی درگت ہو جائے، کھیتی کا کام نہ بگاڑوں گا..."

معانی و اشارات

شہنا	لگان وصول کرنے والا	ٹانٹے ہو جانا	جسم میں تھوڑی طاقت آنا
گھڑکیاں دینا	جھڑکنا، ڈانٹنا	بے پایاں	بہت زیادہ
گردن بچنا	مصیبت ٹلنا	زہر معلوم ہونا	بُرا لگنا، ناگوار ہونا
بھنویں ڈھیلی پڑنا	غصہ ختم ہونا	پہاڑ معلوم ہونا	بہت مشکل محسوس ہونا
پچھوا	مغرب کی سمت سے چلنے والی ہوا	منڈیا	چھوٹا منڈپ
کلیجا نکال کر دینا	اپنی بہت پیاری چیز کسی کو مجبوراً دینا	ڈانڈا	کنارا
اوکھ	گنّا	درگت	بری حالت
پیال	گھاس پھوس کا بستر	گاڑھے کی چادر	موٹے کپڑے کی چادر
کلیجا کانپنا	کپکپی چھوٹنا		

مشق

* سبق کا مطالعہ کرکے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

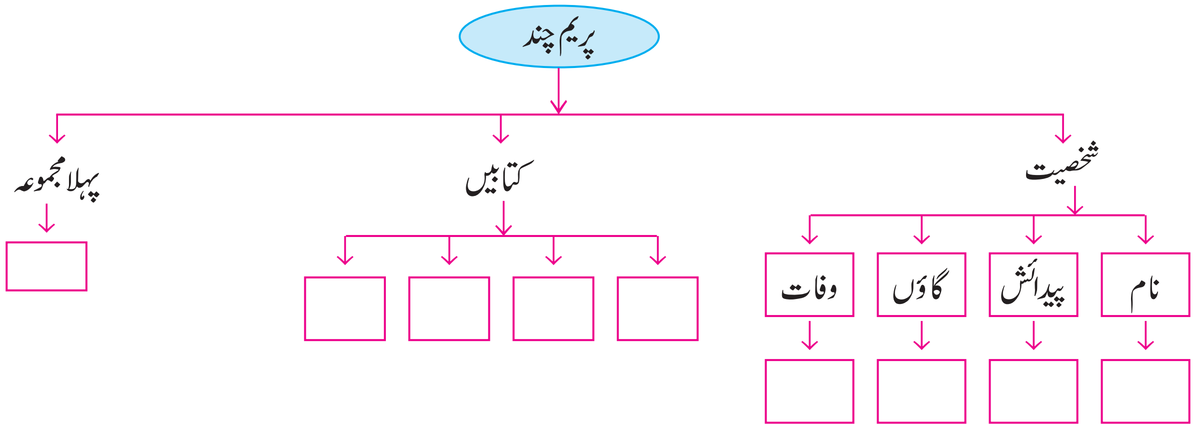

* سبق کے حوالے سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

کرداروں کے ذریعے ادا کیے ہوئے الفاظ کا املا

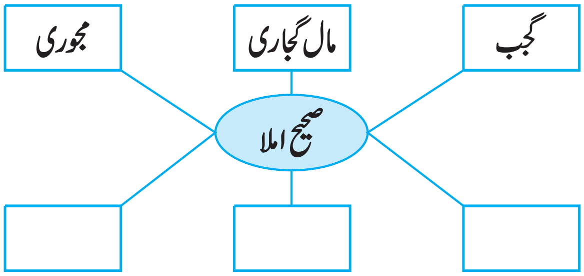

* صحیح متبادل کا انتخاب کرکے خالی جگہ پُر کیجیے۔

۱۔ پریم چند کا اصل نام ....
(دھنپت رائے ، دھنونت رائے ، دلجیت رائے)

۲۔ ہلکو شہنا کو روپے نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے .... خریدنا تھا۔ (کمبل ، دوائیاں ، کھانا)

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ لاؤ جو روپے رکھے ہیں، اُسے دے دوں۔

۲۔ اسے اس وقت اپنی جگہ سے ہلنا زہر معلوم ہوتا تھا۔

۳۔ سارے کھیت کا ستیاناس ہوگیا۔

۴۔ تو چھوڑ دو کھیتی، میں ایسی کھیتی سے باز آئی۔

* خط کشیدہ لفظ کو تبدیل کرکے ہم معنی لفظ لکھیے۔

۱۔ پوس کی اندھیری رات ، آسمان پر تارے بھی ٹھٹھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔
(چاندنی رات ، تاریک شب)

۲۔ ہلکو اب اپنے آپ کو فریب نہ دے سکا۔
(دھوکا ، دلاسا)

* سردی سے بچنے کے لیے ہلکو کی تدبیروں کو سلسلہ وار لکھیے۔

* درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

۱۔ "لا دے دے، گردن تو کسی طرح سے بچے، کمبل کے لیے کوئی تدبیر سوچوں گا۔"

۲۔ "باقی چکانے کے لیے ہی تو ہمارا جنم ہوا ہے ...ایسی کھیتی سے باز آئے۔"

۳۔ ایسی انوکھی دوستی نے اس کی روح کے سب دروازے کھول دیے تھے اور اس کا ایک ایک ذرّہ حقیقی روشنی سے منوّر ہوگیا تھا۔

۴۔ اس ہلتی ہوئی روشنی میں باغ کے عالیشان درخت ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے وہ اس لا انتہا اندھیرے کو اپنی گردن پر سنبھالے ہوں۔

* خط کشیدہ فقروں کی جگہ درج ذیل محاورے مناسب ڈھنگ سے استعمال کرکے جملے دوبارہ لکھیے:

(گھڑکیاں دینا ، زہر معلوم ہونا ، پہاڑ معلوم ہونا ، بلا ٹلنا ، کلیجا کانپنا)

۱۔ مجھے اُس کی باتیں بہت بری لگیں مگر میں خاموش رہا۔

۲۔ ندی کا پانی اس قدر گہرا تھا کہ ڈُبکی لگاتے ہی اسے کپکپی چھوٹ گئی۔

۳۔ کسی کو بات بات پر جھڑکنا بُری بات ہے۔

۴۔ جو کام چور ہوتے ہیں، اُنھیں چھوٹا کام بھی بہت مشکل محسوس ہوتا ہے۔

۵۔ اگر آسانی سے مصیبت دور ہوجائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

* ہلکو کے بارے میں اپنی رائے دیجیے۔

* ہلکو کی بیوی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

* اس افسانے کا مرکزی خیال لکھیے۔

* اُردو کی پانچ خاتون افسانہ نگاروں کے نام لکھیے۔

* جماعت میں مذاکرہ منعقد کرکے افسانہ 'پوس کی رات' کی خصوصیات پر بات چیت کیجیے۔

* اپنے پیشے کے بارے میں کسان اور مزدور کے درمیان مکالمہ لکھیے۔

* ہلکو اور اس کی بیوی کے درمیان جو گفتگو ہوتی ہے، برجستہ اور موقع محل کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے۔ اسے اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سرگرمی: اپنی لائبریری سے پریم چند کے افسانوں کا کوئی مجموعہ حاصل کرکے پڑھیے اور اپنی پسند کے کسی ایک افسانے کو اختصار کے ساتھ اپنی زبان میں لکھیے۔

میں یہاں بھی ہوں...
ساتویں جماعت - جغرافیہ - صفحہ ۵۲، سبق ۹

عملی قواعد

مخلوط جملہ

۱۔ روحانیت نے اس کے دل میں ایک نئی طاقت پیدا کر دی تھی جو ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں کو بھی ناچیز سمجھ رہی تھی۔

۲۔ ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی جو ہوا کا جھونکا آنے پر جاگ اُٹھتی تھی۔

۳۔ جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں۔

۴۔ وہ آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے، کافور ہو گئے۔

دی ہوئی مثالوں کے ان جملوں کو بھی دو حصوں میں باٹا جا سکتا ہے جیسے

ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی	-	جو ہوا کا جھونکا آنے پر جاگ اُٹھتی تھی
جب تجھے دیکھتی ہوں	-	باغ باغ ہوتی ہوں

ان جملوں میں 'جو - جب' لفظوں کے بعد کے فقرے مکمل خیال کا اظہار نہیں کرتے۔ پہلے فقرے سے سوال اُٹھتا ہے کہ ہوا کا جھونکا آنے پر کون جاگ اُٹھتی تھی؟ دوسرے فقرے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تجھے کب دیکھتی ہوں؟ یہ دونوں فقرے بقیہ دونوں فقروں کے تابع ہیں جن کے معنی اپنے آپ میں پورے سمجھ میں آتے ہیں یعنی 'ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی' (مکمل جملہ) اور 'باغ باغ ہوتی ہوں' (مکمل جملہ) 'جو - جب' سے شروع ہونے والے فقروں کو بقیہ حصوں کے ساتھ ملا کر بولنے ہی سے ان جملوں کا پورا خیال سمجھ میں آتا ہے۔

ایسا جملہ جس کے فقرے ایک دوسرے کے تابع ہونے پر ہی مکمل خیال ادا کیا جا سکتا ہو، اسے 'مخلوط جملہ' کہتے ہیں۔

مخلوط جملوں میں 'جو - جس - جسے - جب - جہاں' وغیرہ ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں (انھیں ضمیر موصولہ کہتے ہیں)

* ذیل کے جملوں سے تابع فقرے الگ کر کے لکھیے۔

۱۔ ایک بہن اور تھی جو سسرال میں رہتی تھی۔

۲۔ رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی، گویا لوٹ مچا دی۔

۳۔ جس کے ہاتھ جو لگا، لے کر چلتا بنا۔

برسبیلِ تذکرہ...

جب انسان نے زراعت کے پیشے کو اختیار کیا تو اسے استحکام نصیب ہوا اور خانہ بدوشی سے اسے چھٹکارا مل گیا۔ اب وہ زمین میں کاشت کر کے طرح طرح کی فصلیں اُگانے لگا۔ اپنی بھوک مٹانے کے لیے یہ پیشہ انسان کے لیے شکاری پیشے کے مقابلے میں آسان تھا۔ رفتہ رفتہ اس پیشے کی اہمیت اس کی سمجھ میں آئی اور وہ غلے کو بچانے کی ترکیبیں بھی کرنے لگا۔ زراعت کے لیے اچھی زمین تلاش کرنے لگا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ چٹانوں والی زمین پر اگائی ہوئی فصلیں پانی سے بہہ جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں بطور تشبیہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی زراعت کی اہمیت سے خوب واقف تھے۔ جنگی محاذ پر فوجیں روانہ کرتے وقت آپؐ ہمیشہ یہ نصیحت کرتے کہ دشمنوں کی فصلوں کو برباد نہ کرنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو گزند نہ پہنچانا۔

حضورؐ درختوں اور ان کے پھلوں کی حفاظت کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک بار کسی صحابیؓ نے آپؐ کی ضیافت کے لیے باغ سے کچی پکی دونوں قسم کی کھجوریں توڑ لائیں تو آپؐ نے انھیں سمجھایا کہ کچی کھجوریں توڑ کر تم نے پھلوں کو ضائع کر دیا ہے۔

زراعت کی اہمیت کو سمجھانے کے لیے قرآن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "زمین میں جو دانہ تم بوتے ہو اس سے ایک پودا اُگتا ہے، پھر اس میں بالیاں نکلتی ہیں اور ہر بالی میں بہت سے دانے نکلتے ہیں۔" زراعت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے اناج سے ہم اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔

۱۔ آدمی کو خانہ بدوشی سے چھٹکارا ملنے کی وجہ لکھیے۔

۲۔ اس پیشے کا نام لکھیے جس کے مقابلے میں زراعت آسان پیشہ ہے۔

۳۔ فصلوں کے لیے چٹانی زمین مناسب نہ ہونے کا سبب لکھیے۔

۴۔ حضرت محمدؐ نے فوجیوں کو جو نصیحت کی تھی وہ بیان کیجیے۔

۵۔ کچی فصل توڑنے سے ہونے والا نقصان لکھیے۔

۶۔ قرآن میں بتایا گیا فصل اُگنے کا عمل بیان کیجیے۔

شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

زراعت سے جڑے پیشوں کے نام لکھیے۔